سترہویں صدی کا ایک مثالی مجاہد

شاہ ولی اللہ کے جدِ امجد شیخ وجیہ الدین

چودھری عبدالغفور

ہندوپاکستان کی تاریخ میں صوفیائے کرام اور علمائے عظام نے ملکی تحفظ کا حق ادا کیا ہے۔ "ہمارے علما کا شاندار ماضی" علما کی مجاہدانہ جذبات کی ایک عجیب ایمان افروز داستان ہے اور جنگ آزادی کا سہرا تو ان ہی علماء کے سر ہے ان کے جوش جنوں کو نہ تو کالے پانی کے قید و بند کم کر سکی اور نہ ہی پھانسی اور جلاوطنیاں صوفیائے کرام بھی اسلامی عہد کے ابتدائی زمانے سے ہی فوجی خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔ شیخ وجیہ الدین ایک ایسے دور کے مجاہد ہیں جب مغلیہ سلطنت پر انحطاط کا دور دورہ تھا۔ اور ابتدائی جذبہ اسلامی اور جوش ایمانی کا بے پناہ سیلاب اپنا زور بہت کچھ کھو چکا تھا۔

آج بھی ہندوپاکستان کی سرزمین ان بزرگوں کے مزارات کی مظہر انوار ہے جنھوں نے ناموس اسلامی کے تحفظ میں جانیں قربان کردیں اور شہادت کے درجہ پر فائز ہوئے۔ ان کے سرخیل حضرت مسعود سالار غازی تھے۔ جن کا مزار بہرائچ میں ہے[1] اور ان کا تعلق

---

[1] عام روایت کے مطابق ان کو سلطان محمود غزنوی کا بھانجا بتایا جاتا ہے مگر اس کی کوئی تاریخی شہادت نہیں ان کے مزار کا ذکر سب سے پہلے فتوحات فیروز شاہی میں آتا ہے۔ فیروز تغلق خود مزار پر حاضر ہوا تھا اور اس نے وہاں جو بدعات اور منہیات مشاہدہ کیں ان کے بارے میں احکامات بھی صادر کئے تھے۔

محمود غزنوی کے عہد سے ہے۔ ان کے بعد بھی روح اسلامی کی اس تیغ آبدار کے جوہر اکثر تاریخ کے صفحات پر چمکتے نظر آتے ہیں۔

حضرت امیر خسرو نے بنگال، ملتان، دولت آباد اور دوسرے مقامات پر فضا کو اپنے ترانوں اور نغموں سے ہی مترنم نہیں کیا بلکہ ان کی شمشیر خارا شگاف نے ظلمت کفر کی اندھیاریوں کو چکا چوند کر دیا۔ [۱]

اقبال نے اپنے اس شعر میں حضرت شمس الدین ترک پانی پتی کے ایک واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش جس کو حق نے دیئے ہیں انداز خسروانہ

شمس الدین ترک علاء الدین خلجی کی اس فوج میں شامل تھے جس نے چتوڑ کا محاصرہ کیا ہوا تھا سلطان کو فتح و نصرت کا مژدہ بھی ان ہی کے طفیل حاصل ہوا تھا۔ شیخ وجیہ الدین نے ایک سچے مجاہد کی طرح اپنی پوری زندگی اسلامی سلطنت کی حفاظت میں صرف کر دی اور اپنی اس بے پناہ قربانی اور سرفروشی کے بدلے میں کبھی کسی خاص مراعات یا انعام و اکرام کی خواہش نہیں کی۔

شیخ وجیہ الدین کا روزانہ وظیفہ

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے والد شاہ عبدالرحیم کے قول کے بموجب ان کے والد وجیہ الدین کا روزانہ وظیفہ یہ تھا کہ شب و روز میں قرآن کے دو پارے تلاوت فرماتے تھے اور سفر و حضر رنج و راحت کسی حالت میں بھی اس وظیفہ میں خلل نہیں آنے پاتا تھا جب ان کی عمر زیادہ ہو گئی اور قوت بینائی کمزور ہو گئی تو ایک جلی حروف کا قرآن اپنے ہمراہ

---

[۱] امیر خسرو نے عسکری خدمت کے ضمن میں جو کارہائے انجام دیئے ان کا تذکرہ انہوں نے اپنی مثنویوں اور نثر کی کتابوں میں کیا ہے ان کے یہ حالات مثنوی دیول دیوی و خضر خاں دیباچہ تحفۃ الصغر اور خزائن الفتوح میں ہیں۔

رکھتے تھے۔ یہ قرآن ان سے سفر اور حضر کسی حالت میں علیحدہ نہیں ہوتا تھا۔ شہادت کے روز جس وقت ڈاکوؤں نے آپ کے قافلہ پر حملہ کا ارادہ کیا اور آپ کو اس کی خبر پہنچائی گئی تو اس وقت بھی آپ قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے۔[1]

تورع اور تقوے کا بے مثال نمونہ

شیخ وجیہ الدین اپنی سپاہیانہ زندگی میں جہاد کے اصولوں کی سختی سے پابندی کرتے تھے۔ رسول کریم کی ہدایت گرامی یہی ہے کہ جنگ میں کھیتوں اور باغوں کو تباہ و برباد نہ کیا جائے۔ حضرت ابوبکر صدیق بھی اسلامی لشکر کو رخصت کرتے وقت ایسی ہدایات دینے کا خاص التزام کرتے تھے۔

ان شرعی احکام کے مطابق شیخ وجیہ الدین کبھی بھی اپنا گھوڑا کسی کھیت میں سے نہیں گزارتے تھے۔ خواہ تمام لشکر کھیت میں سے گزرتا چلا جائے۔ لیکن آپ ہمیشہ اس سے احتراز کرتے تھے۔

آخری دور میں مغلیہ لشکر کا نظم ونسق بہت کچھ ڈھیلا پڑ گیا تھا۔ اور جہاں تک اشیائے خوردنی کی فراہمی کا تعلق ہوتا تھا لشکر کے راستہ کے قصبے اور دیہات کم ہی محفوظ رہتے تھے۔ لیکن شیخ وجیہ الدین اس معاملہ میں ہمیشہ کمال احتیاط سے کام لیتے تھے۔ شاہ عبدالرحیم کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ان کا باربرداری کا وہ جانور گم ہوگیا جس پر رسد کا سامان لدا ہوا تھا۔ فوج کے دوسرے لوگ گاؤں والوں کے جانور پکڑ لیتے تھے اور ذبح کر کے کھا جاتے تھے۔ لیکن شیخ وجیہ الدین اپنے تورع اور تقویٰ پر جمے رہے اور حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ دو تین روز تک کھیل بھی اڑ کر منہ میں نہ گئی۔ جب دو تین فاقے گزر گئے اور طبیعت میں نقاہت بڑھ گئی تو رزاق حقیقی کی رزاقیت نے عجیب صورت میں جلوہ فرمایا۔ ایک دن اسی فکر میں پڑے پڑے چابک سے زمین کریدنے لگے وہاں کہیں چنے کے دانے دبے ہوئے تھے۔ ان کے کریدنے سے اتنے دانے نکل آئے جن سے کام چل گیا۔ شرعی لحاظ سے یہ چنے لُقطہ یعنی گری پڑی

---

[1] انفاس العارفین ص ۱۵۶

اشیا ایں سے شمار کئے جا سکتے تھے اور ایسا نقطہ جس سے اس کا مالک مستغنی ہو۔ ان چیزوں کو
پاک صاف کر کے تیار کیا اور اس طرح زندگی اور موت کی کش مکش سے رہائی پائی۔[1]

شاہ عبدالرحیم فرماتے ہیں کہ وہ اپنے نوکر چاکروں اور گھوڑوں کے لئے چارہ بیچنے والوں
کے ساتھ جس نرمی اور انصاف کے ساتھ معاملہ کرتے تھے وہ متقیان روزگار سے کم مشاہدہ
میں آیا ہے۔

ایک تاریخی جنگ

شیخ وجیہ الدین نے اپنے زمانے کے ایک تاریخی معرکہ میں بھی حصہ لیا۔[2] شاہ جہاں کے آخری زمانے میں اس کے بیٹوں کے مابین جو خانہ جنگی ہوئی تھی اس میں اورنگ زیب اور اس کے بھائی شاہ شجاع کا محاربہ تاریخی شہرت رکھتا ہے۔ چونکہ شاہ شجاع بنگال کا صوبیدار تھا۔ اس لئے اس کی فوج میں ہاتھیوں کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ شیخ وجیہ الدین نے اس معرکہ میں اپنی تلوار کے خوب خوب جوہر دکھائے۔ ان کی استقامت اور پائے مردی حقیقت میں اس جذبۂ جہاد اور سرفروشی کی آئینہ دار تھی جو ان کی زندگی کا ایک زندہ جاوید اصول تھا مسلمان مجاہد اللہ کی راہ میں جنگ کرتا ہے اسی عقیدہ کے بموجب جب اورنگ زیب نے ان کی بے مثال شجاعت اور کارکردگی کا بدلہ دینا چاہا تو انہوں نے اس کو لینے سے انکار کر دیا۔ شاہ ولی اللہ نے اس واقعہ کا حال اپنے والد شاہ عبدالرحیم کی زبانی بیان کیا ہے۔ ان کے الفاظ میں جب عالمگیر تخت سلطنت پر متمکن ہوا تو اس کے بھائی شاہ شجاع نے بنگال میں بغاوت کر دی اور عالمگیر نے خود فوج لے کر ادھر کا رخ کیا۔ شیخ وجیہ الدین بھی اس فوج میں شامل تھے۔ دونوں لشکروں میں زبردست تصادم ہوا اور ایسی زبردست ٹکر ہوئی کہ دونوں فوجیں تھک کر چور ہو گئیں۔ اس موقع پر شاہ شجاع کے لشکر کی طرف سے دو تین

---

[1] انفاس العارفین صفحہ ۱۵۶

[2] شاہجہاں کے تخت سلطنت سے علیحدہ ہونے کے بعد اس کے بیٹوں کے مابین جو خانہ جنگی ہوئی اس میں ایک تو سامو گڑھ کا معرکہ مشہور ہے۔ جو دارا شکوہ اور اورنگ زیب کے مابین ہوا اور دوسرا سلطنت کے مشرقی حصہ میں شاہ شجاع اور اورنگ زیب کے مابین۔

مست ہاتھیوں کے ذریعہ حملہ کیا گیا۔ ہر ہاتھی کے پیچھے زرہ بکتر پہنے ہوئے سپاہیوں کا ایک دستہ تھا جو ہاتھی کی اوٹ میں آگے بڑھنے کی کوشش کرتا تھا۔ ان ہاتھیوں سے اورنگ زیب کے لشکر میں کھلبلی مچ گئی۔ اس موقعہ پر ہر کسی نے جان بچانے کی کوشش کی عالمگیر خود ہاتھی پر تھا۔ لیکن افراتفری کا یہ عالم ہوا کہ اورنگ زیب کے ہاتھی کے ساتھ بھی چند ایک لوگوں کے سوا کوئی نہ رہا۔

شیخ وجیہ الدین کی عزیمت

اس وقت شیخ وجیہ الدین کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ان مست ہاتھیوں میں سے ایک پر حملہ کیا جائے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کرکے کہا کہ یہ وقت جان کی بازی لگا دینے کا ہے ایسے موقعوں پر ثابت قدم رہنا کسی کا کام ہوتا ہے۔ تم میں سے جو پیچھے رہنا چاہتا ہے اسے میری طرف سے اس کی پوری اجازت ہے۔ اس پر ان کے بہت سے ساتھی پیچھے ہٹ گئے اور ان کے ہمراہ محض چار آدمی رہ گئے وہ بعد میں بھی اکثر کہا کرتے تھے کہ اگر ہماری محبت میں کوئی شریک ہے تو یہی چار آدمی ہیں ان چاروں جواں مردوں نے ان کے شکار بند پر ہاتھ رکھ کر آپس میں قسم کھائی کہ شیخ وجیہ الدین جہاں بھی ہوں گے وہ بھی ان کے برابر میں رہیں گے۔ اس کے بعد انھوں نے حملہ کے لئے ایک ایسے ہاتھی کو انتخاب کیا جو میدان جنگ میں سب سے زیادہ طوفان ڈھا رہا تھا۔ پہلے تو یہ لوگ بڑی ثابت قدمی سے اپنی جگہ پر کھڑے رہے اتنے میں ہاتھی نے سونڈ بڑھا کر یہ کوشش کی کہ شیخ وجیہ الدین کو گھوڑے کی پیٹھ سے اٹھا کر پھینک دے اس وقت انہوں نے تلوار کا ایک ایسا ہاتھ دیا کہ اس کی سونڈ نیچے سے کٹ گئی۔ اس پر ہاتھی نے زبردست چنگھاڑ ماری اور وہیں سے پچھلے پیروں پلٹا اور اپنی فوج کو روندتا چلا گیا۔ اس واقعہ نے لڑائی کا رخ پھیر دیا۔ ان کی اس کارگزاری کو خود عالمگیر بھی مشاہدہ کر رہا تھا۔ فتح کے بعد بادشاہ نے چاہا کہ ان کے منصب میں اضافہ کر دے مگر انھوں نے قبول نہ کیا۔[1]

مقامی بغاوتیں

ملکی جنگوں کے علاوہ شیخ وجیہ الدین نے مقامی بغاوتوں کو فرو کرنے میں بھی بڑی جاں نثاری

---

[1] انفاس العارفین ص ۱۵۹

سے کام کیا جب مالوہ کے چند خود سر مقامی سرداروں نے حکومت کے خلاف بغاوت کی تو شیخ جیہ الدین کو سید حسین کے ہمراہ بھیجا گیا۔ اس وقت شاہ عبدالرحیم کی عمر محض چار سال کی تھی۔

سید حسین نے اپنے دستے کے ساتھ قصبہ دھامونی کا رخ کیا اس سفر میں شاہ عبدالرحیم اپنے والد کے ساتھ تھے وہ کہتے ہیں کہ ایک ہندو سردار حکومت سے باغی ہو گیا تھا۔ وہ اپنے علاقے میں شجاعت و دلیری کے لئے بہت مشہور تھا۔ سید حسین نے اسے اپنے کیمپ میں حاضر ہونے کا حکم دیا وہ بڑی مشکل سے آیا لیکن کیمپ میں اس کا چوکی پہرے والوں سے جھگڑا ہو گیا۔ وہ سید حسین کی خدمت میں ہتھیاروں سمیت آنا چاہتا تھا اور پہرے کے لوگ اس کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ جب بات زیادہ بڑھ گئی تو اس ہندو رئیس نے سید حسین کو پیغام بھجوایا کہ تم خود سپاہی پیشہ ہو اور تمہارے پاس محافظوں کی کوئی کمی نہیں تمہیں اس بات سے عار نہیں آتی کہ اکیلے آدمی کو ہتھیاروں سمیت اندر آنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ یہ بات سن کر سید حسین کی رگ حمیت کو جوش آیا اور انھوں نے حکم دے دیا کہ کوئی شخص اس پر معترض نہ ہو۔

شاہ عبدالرحیم کہتے ہیں کہ میں خود اس مجلس میں موجود تھا اور اگرچہ کم سن تھا لیکن اس ہندو رئیس کے چہرے پر اس وقت جو بشاشت تھی وہ مجھے آج تک یاد ہے وہ پان چبا رہا تھا اور مجلس میں اس آرام اور اطمینان کے ساتھ داخل ہو رہا تھا جیسے کسی شادی کی محفل میں شریک ہو رہا ہو۔ شیخ وجیہ الدین نے اسے دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ شخص اس مجلس میں کچھ نہ کچھ کر گزرے گا۔ انھوں نے اسی وقت ایک خدمت گار کو حکم دیا جس نے مجھے اٹھا کر ایک اونچے طاق میں جو دیوار میں بنا ہوا تھا بٹھا دیا۔ اس کے عنوان دیکھ کر ان کو یقین ہو گیا تھا کہ تھوڑی دیر میں تلواریں نکل پڑیں گی۔ اس لئے بچے کو محفوظ رکھنے کی یہی صورت تھی۔ جب وہ ہندو رئیس تسلیم و کورنش کرنے کی جگہ پہنچا تو خادم نے کہا کہ یہیں رک کر تسلیم بجا لاؤ۔ اس نے اس کے کہنے کی بالکل پرواہ نہ کی اور کہنے لگا میں تو سید کے پاؤں کو چومنے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اور اس طرح اپنے خطاؤں کی بخشش حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ جونہی کہ وہ سید حسین کے قریب پہنچا تو اس نے دفعتاً ان پر تلوار سے حملہ کر دیا۔ سید حسین پھرتی سے ایک جانب کو ہو گئے اس کی تلوار گاؤ تکیہ پر پڑی اور وہ دو ٹکڑے ہو گیا اس ظالم نے دوبارہ حملے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ شیخ وجیہ الدین نے اپنی جگہ سے جھپٹ کر حملہ کیا۔

اور اسے خنجر کے ایک ہی وار سے ختم کردیا۔[1]

تین مشہور سرداروں سے مقابلہ

اسی علاقہ میں ان کو ایک ایسا موقع بھی پیش آیا جہاں انہیں پے در پے دشمن کے تین مشہور سرداروں سے تنہا مقابلہ کرنا پڑا۔

شاہ عبدالرحیم بیان کرتے ہیں کہ اس جنگ میں جب دونوں گروہ آمنے سامنے آئے تو ہندوؤں کا بانی سردار گھوڑے پر سوار تلوار لئے آگے بڑھا۔ اور بلند آواز سے کہنے لگا کہ میں فلاں ابن فلاں ہوں اور میدان جنگ میں تنہا موجود ہوں کسی کی ہمت ہو تو آئے اور مجھ سے دو دو ہاتھ کرے۔ دیہاتی کی یہ شرط ہے کہ سید حسین مجھ سے اکیلا دو دو ہاتھ کرے۔ اس پر سید حسین کو جوش آیا اور صف سے آگے نکل کر اس پر حملہ کردیا۔ ہندو سردار نے نہایت چابک دستی سے تلوار سے حملہ کیا۔ سید حسین نے اس کے وار کو ڈھال پر روکا۔ تلوار ڈھال کی ایک شکو کاٹتی ہوئی دوسری تہ تک پہنچی اور اس میں پھنس کر رہ گئی۔ ہندو سردار نے جھٹکے کر تلوار کو کھینچا تو اس کے زور میں سید حسین گھوڑے سے گر گئے۔ اس پر وہ ہندو سردار چھلانگ مار کر نیچے کودا اور سید حسین کے سینہ پر سوار ہوگیا۔ قریب تھا کہ وہ تلوار سے ان کو ذبح ہی کرڈالتا۔ کہ اتنے میں شیخ وجیہ الدین موقع پر پہنچ گئے اور ایک ہی وار میں اس کو جہنم واصل کیا۔

اس کے بعد جب دونوں دوبارہ صف لشکر میں واپس آئے تو ایک اور شہ سوار میدان میں آکر اعلان مبارزت کرنے لگا اور کہنے لگا کہ میں مقتول کا بھائی ہوں جس کی ہمت ہو میرا مقابلہ کرے۔ لیکن شرط انصاف یہی ہے کہ جس نے میرے بھائی کو قتل کیا ہے وہی سامنے آئے۔ شیخ وجیہ الدین نے بڑھ کر حملہ کیا۔ آپس میں زبردست چوٹیں ہوتی رہیں لیکن آخر کار یہ بھی جہنم واصل ہوا۔ اس کے کچھ دیر کے بعد پھر ایک اور سوار اسی صورت اور ہیئت کا میدان جنگ میں نمودار ہوا اور اس نے بھی ان ہی الفاظ میں اعلان مبارزت کیا۔ شیخ وجیہ الدین سامنے آئے۔ تو اس نے ان کی دونوں کلائیوں کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور کوشش کرنے لگا کہ ان کو

---

[1] انفاس العارفین ص ۱۵۷

زمین پر گرادے یا اپنے گھوڑے پر کھینچ لے۔ انہوں نے بھی پوری قوت سے مقابلہ کیا۔ لیکن مقابل جسمانی لحاظ سے آپ سے زیادہ طاقتور تھا۔ اس پر آپ نے خدعہ یا جنگی چال کے طور دفعتاً کہا ہاں ہاں پیچھے سے لینا حالانکہ اس کے عقب میں کوئی نہیں تھا۔ اس نے اچانک مڑ کر دیکھا تو اس کے بازوؤں کی گرفت کمزور پڑ گئی اس پر شیخ وجیہ الدین نے اپنے آپ کو چھڑا لیا اور اسے خنجر مار کر ہلاک کر دیا۔ اس کے بعد ان کے ساتھی دشمنوں پر ٹوٹ پڑے اور ن کی نفری تتر بتر ہو گئی [1]

نانی تعلقات کی گہرائی اور گیرائی

اس زمانے میں انسانی تعلقات میں عجیب قسم کی گہرائی اور گیرائی تھی۔ اس کا ایک اقعہ اس لڑائی کے بعد ہی پیش آیا۔ اس لڑائی کے تین روز کے بعد ایک بڑھیا پتہ لیتی لیتی شیخ وجیہ الدین کے خیمہ میں پہنچی اور کہنے لگی میں ان تینوں مقتولین کی والدہ ہوں مجھے خیال تھا کہ میرے تینوں بیٹوں سے زیادہ دنیا میں کوئی شجاع اور بہادر نہیں مگر خدا تم پر رحمت کرے تم ان سے بھی بڑھ کر نکلے۔ آج سے تم میرے منہ بولے بیٹے ہو۔ میرے دل کی یہ تمنا ہے کہ تم مجھے اپنی اماں کرو۔ چند دن میرے گھر میں رہو تاکہ میں تمہیں جی بھر کر دیکھ لوں۔ اور اپنے مقتول بیٹوں کے غم کو ہلکا کر دوں۔ یہ سنتے ہی شیخ وجیہ الدین نے اپنے خادم کو حکم دیا کہ گھوڑے پر زین کسی جائے۔ ان کے ساتھیوں میں سے بعض ان کے عزیز و اقارب بھی تھے۔ ان سب نے بہت روکا۔ کہنے لگے۔ عجیب بات ہے کہ آپ جیسا عاقل و فرزانہ ایسی بات کے لئے تیار ہو جائے۔ لیکن شیخ وجیہ الدین نے ان کے کہنے کا کچھ اثر نہیں لیا۔ اس پر لوگوں نے یہ بات سید حسین تک پہنچائی وہ سنتے ہی ان کے خیمہ میں آئے اور قسم لی کہ وہ بڑھیا کے ساتھ جانے پر اصرار نہیں کریں گے۔ اس پر شیخ وجیہ الدین مجبور ہو گئے اور اس ضعیفہ کو بلا کر کہنے لگے اماں اس وقت تو یہ لوگ مجھے آنے کی اجازت نہیں دیتے مگر کچھ دنوں کے بعد میں ضرور آؤں گا جب لوگوں کو یہ بات بھول بسر گئی تو یہ اس بڑھیا کے گھر گئے۔ وہ ایسی محبت اور خلوص سے

---

[1] انفاس العارفین ص ۱۵۷ - ۱۵۸

پیش آئی گویا سچ مچ کی ماں ہو۔ شاہ عبدالرحیم فرماتے ہیں کہ میں بھی اکثر اس کے گھر جایا کرتا تھا۔ اور اس کو دادی جان کہہ کر پکارتا تھا۔ وہ بھی محبت و شفقت میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتی تھی۔ میری دادی جان کا انتقال ہو چکا تھا اور میں نے اپنے ہوش میں ان کو نہیں دیکھا تھا اس لئے بچپن میں مجھے اس بات کا تصور بھی نہیں تھا کہ اس بڑھیا کے سوا میری کوئی اور بھی دادی ہو سکتی ہے۔

شجاعت و بسالت جزو ایمان

جنگ کے جوش میں معمولی انسان بھی بہت کچھ کر گزرتا ہے لیکن شیخ وجیہ الدین کی شجاعت و بسالت ان وقتی محرکات سے بالا تھی۔ اس کا خمیر اسی جوش عمل سے بنا تھا۔ جوان کا جزو ایمان تھی شاہ عبدالرحیم اپنے والد کی دلیری اور جرأت کے بارے میں ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ زبردست جنگ ہوئی اور جانبین سے بہت لوگ مارے گئے بالآخر مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی جب شام کو لشکر گاہ میں واپس آئے تو امیر لشکر کی مجلس میں مقتولین کی تعداد پر بحث ہونے لگی۔ ہر شخص اپنی سی کہتا تھا۔ شیخ وجیہ الدین کہنے لگے کہ میری رائے میں جانبین کے مقتولین کی تعداد کوئی دو سو یا قدرے کم و بیش ہوگی۔ جو لوگ میدان جنگ سے فرار ہو گئے۔ وہ اس حساب میں شامل نہیں۔ مجلس کے حاضرین نے اس کو بعید از قیاس خیال کیا۔

ان کے دل کو یہ بات لگ گئی۔ اور انہوں نے دل ہی دل میں ٹھان لی کہ وہ مقتولین کی تعداد کا صحیح اندازہ لگائیں گے تھوڑی دیر کے بعد وہ کسی بہانے سے اس مجلس سے نکل گئے۔ اس وقت رات کے اندھیرے میں بادل گھرے ہوئے تھے اور گرج چمک سے فضا میں عجیب ہولناک کیفیت طاری تھی۔ انہوں نے اسی حالت میں میدان جنگ کا راستہ لیا اور اس اندھیارے میں مردوں کی لاشوں کو ایک ایک کر کے شمار کیا۔ تاریکی میں ٹٹولتے ٹٹولتے ان کا ہاتھ ایک زخمی کو لگا اس نے ڈر کر چیخ ماری تو انہوں نے اسے تسلی دی اور اسے اپنا نام بھی بتا دیا اس کے بعد آپ کو خیال آیا کہ بعض جھڑپیں تو بین گاؤں کے بیچ میں ہوتی ہیں ان کے بارے میں بھی تحقیق کرنی چاہیئے۔ اس طرح انہیں جہاں جہاں لاشوں کے موجود ہونے کا احتمال تھا سب جگہ اچھی طرح دیکھ بھال

---

[1] انفاس العارفین ص۱۵۸

کی۔ یہاں بھی ان کا ہاتھ اندھیرے میں ایک بڑھیا کے جسم کو لگا جو لڑائی کے وقت ایک کونے میں چھپ گئی تھی۔ ان کی انگلیوں کا چھونا تھا کہ اس نے زور سے چیخ ماری۔ آپ نے اس کو بھی تسلی دی اور اسے بھی اپنا نام بتادیا۔ مقتولین کی تعداد ان کے اندازے کے مطابق نکلی۔ اس کے بعد وہ لشکر گاہ میں آگئے۔ لوگ ابھی تک اسی حالت میں بیٹھے ہوئے تھے انھوں نے جو کچھ دیکھا حاضرین کو بتایا ان لوگوں کو ان کی باتوں پر یقین نہ آیا اور امیر لشکر نے تقریباً سو آدمیوں کو شعلوں کے ساتھ اس بات پر مقرر کیا کہ مقتولین کی تعداد کا شمار کریں اور اس زخمی بڑھیا کو بھی حاضر کریں۔ اس وقت اندھیری رات کی ایسی کیفیت تھی کہ لوگوں کو جانے کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔ لیکن بوجہ مجبوری جانا پڑا۔ جب لاشوں کی گنتی کی گئی تو ان کی تعداد شیخ وجیہ الدین کے شمار کے مطابق نکلی۔ زخمی اور بڑھیا دونوں کو حاضر کیا گیا تو ان کے بیانات سے بھی شیخ وجیہ الدین کے قول کی تصدیق ہوئی اور انہوں نے شیخ کا نام بھی حاضرین مجلس کو بتایا۔[۱]

محیر العقول جسمانی قوت

شیخ وجیہ الدین محیر العقول جسمانی قوت کے مالک تھے۔ اور ان کے پاس ان چیزوں سے قوت جیدری پیدا کرنے کا اکسیر تھا اور وہ تھی ان کی قوت ایمانی۔

ایک بار ایک امیر سید شہاب الدین کا دربار شاہی میں محاسبہ ہوا اور اس کے ذمہ بہت سا روپیہ نکلا شیخ وجیہ الدین نے اس کی ضمانت دے دی۔ اس نے ادائیگی میں دیر لگائی تو سرکار نے شیخ وجیہ الدین سے مطالبہ کیا۔ آپ نے سید شہاب الدین سے شکایت کی تو وہ کہنے لگا کہ میرے پاس روپیہ تو نہیں البتہ تلوار حاضر ہے۔ اس پر آپ نے مسکرا کر کہا کہ تلوار اٹھانا تو آسان ہے لیکن اس کا حق ادا کرنا اتنا آسان نہیں۔ اس پر وہ غصہ کے مارے بے قابو ہوگیا اور اس نے اپنا خنجر آپ کی سمت پھینک کر مارا۔ آپ نے اسے بائیں ہاتھ سے تھام لیا اور دائیں ہاتھ سے اس کے منہ پر ایسا طمانچہ رسید کیا کہ وہ الٹ کر زمین پر ڈھیر ہوگیا اس کے بعد آپ نے ایک خادم کو حکم دیا کہ ایک رسی سے اس کی مشکیں باندھ لو اور اس کے

---

[۱] انفاس العارفین ص۱۶۰

طویلے سے اس کے اونٹ اور گھوڑے باہر نکال لاؤ۔ اس کو کہیں ایک ساعت کے بعد ہوش آیا تو آپ نے کہا کہ تمہارا وہ لاف وگزاف کہاں گیا، کہنے لگا مجھ پر زیادتی ہوئی ہے۔ آپ کا ہاتھ میرے ہاتھ سے پہلے حرکت میں آ گیا اور تھپڑ کی وجہ سے بے ہوش ہو گیا۔ اس پر آپ نے کہا ٹھیک کہتے ہو۔ اس کے ساتھ ہی خادم کو اشارہ کیا کہ رسی کے بند کھول ڈالو اور اسے خنجر دے دو۔ اس نے خنجر لے کر آپ پر دوبارہ حملے کا ارادہ کیا۔ لیکن رعشہ طاری ہو گیا اور حملہ کرنے کی جرأت نہ کر سکا۔ یہ واقعہ شاہ عبدالرحیم کا چشم دیدہے جسمانی قوت کا یہ خداداد عطیہ شیخ وجیہ الدین کو اپنے خاندان سے ورثہ میں ملا تھا[1]

محمد مراد شاہ وجیہ الدین کے والد شیخ معظم کے سوتیلے بھائی تھے۔ شاہ عبدالرحیم نے ان کو ۸۰ سال کی عمر میں دیکھا ہے وہ کہتے ہیں کہ ان کی انگلیوں میں ابھی تک اتنا زور تھا کہ سکے کو ہاتھ سے دوہرا کر دیتے تھے۔

بارہ سال کا مجاہد

شیخ شاہ ولی اللہ کے پردادا اور شاہ وجیہ الدین کے والد شیخ معظم بھی اپنی شجاعت اور عزیمت میں آیت خداوندی میں سے تھے۔

ایک بار شیخ معظم کے والد شیخ منصور کا مقابلہ علاقے کے ایک ہندو راجہ سے ہو گیا انہوں نے فوج کا میمنہ شیخ معظم کے سپرد کیا۔ اس وقت ان کی عمر محض بارہ سال کی تھی جب میدان کارزار گرم ہوا تو دونوں جانب سے کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ اتنے میں کسی نے کہا کہ شیخ منصور جام شہادت نوش کر چکے ہیں۔ اس خبر کو سنتے ہی پوری فوج درہم برہم ہونے لگی۔ اس پر شیخ معظم کی رگ غیرت جوش میں آئی اور انہوں نے تلوار کھینچ کر سیدھا راجہ کا قصد کیا اور دائیں بائیں تلوار چلاتے اور مزاحمین کو مارتے کاٹتے آگے بڑھتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ راجہ کے ہاتھی تک پہنچ گئے۔ وہ راجہ ہندوؤں کا ایک بہت بڑا سردار اور مشہور

---

[1] انفاس العارفین صفحہ ۱۶۰

شجاع تھا۔ آپ نے ایک ہی وار میں اس کی تلوار کے دو ٹکڑے کر دیئے اور اسے زمین پر گرا لیا اس پر ان کو راجہ کے محافظین نے گھیر لیا۔ راجہ نے سب کو بڑی سختی سے منع کیا اور کہنے لگا جو بچہ اس عمر میں ایسی جوانمردی اور جرأت کا مظاہرہ کرتا ہے وہ تو عجائب روزگار میں سے ہے۔ اس کے بعد اس نے شیخ معظم کو دونوں ہاتھوں کو چوما ان کا بڑا احترام کیا اور کہنے لگا آخر اتنے غیظ و غضب کی کیا وجہ ہے۔ انھوں نے کہا مجھے یہ خبر ملی تھی کہ میرے والد شہید ہو گئے ہیں۔ اس لئے میں نے ارادہ کیا کہ میں جب تک غنیم کے سردار کو قتل نہیں کر لوں گا آرام نہیں لونگا۔ ورنہ خود میدان جنگ میں کھیت رہوں گا۔ راجہ کہنے لگا تمہیں غلط خبر ملی ہے تمہارے والد بقید حیات ہیں۔ وہ دیکھو ان کے جھنڈے اس جگہ نظر آ رہے ہیں۔ اس کے بعد راجہ نے فوری طور پر شیخ منصور کے پاس اپنا آدمی بھیجا اور کہا کہ ہم اس بچے کی خاطر صلح کرتے ہیں آپ کی جو بھی شرائط ہیں وہ ہمیں منظور ہیں ۱؎

رعیت کا تحفظ

شیخ معظم کی خاندانی جاگیر شکوہ پور میں تھی۔

شاہ عبدالرحیم نے موضع شکوہ پور کے ایک دیہاتی سے شیخ معظم کی رعیت پروری کی ایک عجیب و غریب داستان سنی۔ شکوہ پور شیخ معظم کے تعلقہ میں تھا۔ انہیں خبر ملی کہ قریباً تیس ڈاکوؤں نے علاقہ پر حملہ کر دیا ہے۔ اور رعیت کے مویشی ہانک کر لے گئے ہیں اس وقت شیخ معظم تعلقہ میں اکیلے ہی تھے ان کے سگے بھائیوں یا چچازاد بھائیوں میں سے کوئی وہاں نہیں تھا۔ انہیں جس وقت یہ خبر ملی ہے اس وقت وہ کھانے پر بیٹھے تھے۔ اس حالت میں ان سے کسی قسم کی عجلت یا شتاب زدگی کا اظہار نہیں ہوا۔ انہوں نے اپنی عادت کے مطابق نہایت اطمینان سے کھانا کھایا۔ ہاتھ دھوئے اور اس کے بعد حکم دیا کہ ان کا گھوڑا اور ہتھیار لائے جائیں۔ تعلقہ کے لوگ بھی ہتھیار لے کر تیار ہوئے لیکن آپ نے ان سب کو واپس لوٹا دیا اور فرمانے لگے میں تو اس تیزی سے جاؤں گا کہ تم میرے گھوڑے کی گرد بھی نہیں پا سکو گے البتہ انہوں نے ایک رہنما کو ساتھ لے لیا۔ تاکہ جس وقت ڈاکوؤں سے تصادم ہو تو وہ دیہاتیوں کو اس کی خبر کر دے۔ شیخ معظم گھوڑے

۱؎ [illegible]

سرپٹ دوڑاتے ہوئے ڈاکوؤں کے پیچھے پیچھے ہولئے۔ آگے جاکر پتہ چلا کہ وہ لوگ اپنی منزل پر پہنچ گئے ہیں۔ انھوں نے ان کی بستی کے باہر کھڑے ہوکر چند کلمات بلند آواز سے ایسے لہجے میں کہے کہ ان کی رگ غیرت جوش میں آگئی اور پوری جماعت مقابلے میدان میں نکل آئی۔ اس پر شیخ معظم نے تیر اندازی شروع کی اور ایک ایک تیر سے دو دو کو لینا شروع کیا۔ جب ایسے دو تین قادر انداز قسم کے تیر نشانہ پر پڑے تو ڈاکوؤں پر رعب عظیم طاری ہوگیا اور وہ زندگانی سے مایوس ہوکر جان کی امان مانگنے لگے اور کہنے لگے خدارا ہمارا قصور معاف کردیجئے۔ شیخ نے فرمایا تمہاری توبہ اسی وقت قبول ہوسکتی ہے جب تم سب کے سب ہتھیار ڈال دو۔ ایک دوسرے کے ہاتھ رسیوں سے باندھو اور تمام ہتھیار اور جانور لے کر گاؤں پہنچو۔ وہ سب کے سب اسی حالت میں حاضر ہوئے اس وقت شیخ معظم نے ان سے ان کے رسم ورواج کے مطابق قسم لی کہ وہ آئندہ اس گاؤں کے قریب نہیں پھٹکیں گے اور شیخ کے حکم سے سرِ مو تجاوز نہیں کریں گے [1]

شیخ وجیہ الدین کی شہادت

سیواجی کے قتل کا ارادہ

شاہ عبدالرحیم کے والد کو شہادت کا جو شوق تھا۔ اس کو انہوں نے عجیب اثر انگیز میں بیان کیا ہے۔ ان کی زندگی جہاد میں گزری تھی اور انہیں جب ایسی مرض الموت کا تصور آتا تھا جس میں مریض ایڑیاں رگڑ رگڑ کر ختم ہوتا ہے تو ان کی روح کانپ اٹھتی تھی۔ اس کے علاوہ ان کے دل میں ان برکتوں اور بشارتوں کی امنگ بھی بار بار اٹھتی تھی جن کا قرآن کریم میں شہداء کے لئے وعدہ کیا گیا ہے۔ ان کے اپنے خاندان میں علمی اجتہاد کے ساتھ ساتھ جہاد کا سلسلہ بھی برابر چلتا تھا اور ان کے اکثر اقربا درجہ شہادت پر فائز ہو چکے تھے۔ یہ اورنگ زیب عالمگیر کا زمانہ تھا اور سیواجی نے دکن کے علاقہ میں مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کردیا تھا۔ اور اس علاقہ میں شعائر اسلام کا کوئی احترام نہیں رہا تھا۔ ان کے تحت الشعور

---

[1] انفاس العارفین ص ۱۵۵۔ ۱۵۶

میں یہی جذبہ مسریں سے رہا تھا کہ وہ ان حالات کے اصل ذمہ دار سیواجی کو کیفر کردار تک پہنچائیں

شاہ عبدالرحیم بیان کرتے ہیں کہ ایک رات میرے والد تہجد کی نماز گزار رہے تھے کہ ان کا ایک سجدہ بہت طویل ہوگیا اتنا طویل کہ مجھے ڈر ہوگیا کہ کہیں روح شریفہ جسد خاکی سے پرواز نہ کر گئی ہو۔ کچھ عرصہ کے بعد سجدے سے سر اٹھایا تو میں نے اس کے بارے میں استفسار کیا فرمانے لگے مجھ پر خود فراموشی کی ایک خاص کیفیت طاری ہوگئی تھی۔ اس میں مجھے ان عزیزوں اقارب کے احوال کے بارے میں بتایا گیا جن کو شہادت نصیب ہوچکی ہے۔ میں نے جب ان کی منازل اور درجات عالی پر نگاہ کی تو وہ میرے دل کو بہت بھلے معلوم ہوئے۔ اس پر میں نے بھی حضرت حق سبحانہ سے اپنے لئے شہادت کی دعا کی اور الحاح و تضرع سے التجا کی۔ مجھ پر کشف کیا گیا کہ تمہاری دعا مستجاب ہوگئی ہے اور اس کے ساتھ ہی ملک دکن کی طرف اشارہ کیا گیا گویا میری شہادت کی جگہ وہاں ہے[1]

شہادت کا واقعہ

اس زمانے میں شیخ وجیہ الدین نوکری چھوڑ چکے تھے اور انہیں اس شغل سے بہت نفرت پیدا ہوگئی تھی لیکن اس کے باوجود انہوں نے دوبارہ سامان سفر تیار کیا۔ اور گھوڑے خرید کر دکن کی طرف روانہ ہوگئے۔ ان کا ظن غالب یہ تھا کہ ان کے مقدر میں یہ ہے کہ سیواجی کا خاتمہ ان کے ہاتھ سے ہوگا۔ سیواجی کا اس زمانے میں دکن پر تسلط تھا اور اس نے مسلمانوں کے قاضی کی بے حرمتی کی تھی۔ شیخ وجیہ الدین جب برہان پور پہنچے تو انہیں کشف ہوا کہ شہادت کا مقام پیچھے رہ گیا ہے۔ وہیں سے واپسی کا ارادہ کیا۔ راستے میں ان کی ملاقات ایک سوداگر سے ہوئی جو اہل صلاح اور تقویٰ میں سے تھا جب قصبہ ہنڈیا سے دہلی کی جانب روانہ ہوئے تو عین اسی وقت ایک بڑھیا عورت افتاں خیزاں ان کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی میں بھی دہلی جانا چاہتی ہوں۔ آپ نے حکم دیا کہ تمہیں ہمارے ملازمین سے سفر خرچ کے لئے ہر روز تین پیسے مل جایا کریں گے۔ وہ بڑھیا ہندو ڈاکوؤں کی جاسوس تھی جب ان کا قافلہ سرائے نوتیسر پہنچ

---

۱ انفاس العارفین ص ۱۶۰

پہنچا جو دریائے نربدا سے دو تین منزل دہلی کی جانب ہے تو اس بڑھیا نے اپنے ساتھیوں کو اطلاع پہنچا دی اور اس کے ساتھ ہی ڈاکوؤں کے ایک گروہ کثیر نے سرائے پر حملہ کر دیا۔ اس وقت شیخ وجیہ الدین تلاوت قرآن فرما رہے تھے۔ ڈاکوؤں میں سے دو تین آدمی ان کے پاس آئے اور پوچھنے لگے تم میں سے شیخ وجیہ الدین کون ہیں۔ اور جب انہیں آپ کا پتہ چلا تو کہنے لگے کہ ہمیں آپ سے کوئی غرض نہیں ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ آپ کے پاس کوئی مال اسباب نہیں۔ آپ کا ہماری جماعت کے ایک فرد یعنی اس بڑھیا پر حق نمک بھی ہے۔ مگر آپ کے ہمراہ جو سوداگر ہیں ان کے پاس فلاں فلاں مال ہے۔ ان کو ہم کسی صورت میں بھی نہیں چھوڑیں گے آپ کی نظر میں اس سفر کی علت غائی روشن تھی۔ اس لئے آپ نے اپنے ہمراہیوں کا ساتھ چھوڑنے سے انکار کر دیا اور مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے۔ اس جنگ میں انہوں نے ۲۲ زخم کھائے اور آخری حملے میں ان کا سر جسد مبارک سے علیحدہ ہو گیا۔

شاہ عبدالرحیم کا کہنا ہے کہ آپ کے جسد مبارک سے برابر تکبیر کی آواز بلند ہوتی رہی اور اس نے دشمنوں کا ایک پرتاپ تیر کے فاصلہ تک تعاقب کیا اس وقت کسی عورت نے جسد مبارک کو دیکھا تو حیرانی سے چیخ ماری اس وقت آپ کا جسد شریف زمین پر گر گیا۔ آپ کی لاش کو اسی جگہ دفن کیا گیا۔[1]

شیخ وجیہ الدین عالم مثال میں

شاہ عبدالرحیم فرماتے ہیں کہ جس روز شاہ وجیہ الدین کی شہادت ہوئی ہے اسی دن ان کی صورت میرے سامنے عالم مثال میں سامنے آئی اور آپ نے مجھے خود جسم پر زخموں کے نشان دکھائے۔ میں نے اس وقت ان کی روح کے ثواب کے لئے صدقہ دیا۔ شاہ عبدالرحیم فرماتے ہیں کہ میں نے بعد میں یہ ارادہ کیا کہ آپ کے جسد مبارک کو دہلی منتقل کروں۔ لیکن آپ ایک روز عالم مثال میں سامنے آئے اور مجھے اس ارادے سے منع فرمایا۔[2]

---

[1] انفاس العارفین ص ۱۶۱

[2] انفاس العارفین ص ۱۶۱

ہندوستان میں اسلامی سلطنت کی حفاظت کی سب سے بڑی ضمانت وہ بے اختیار جذبۂ شہادت تھا جو مجاہدین میں پایا جاتا تھا۔ اور ان میں سے جو غازی ہوتے تھے ان کو جہاد فی سبیل اللہ میں جو زخم لگتا تھا اس پر نازاں ہوتے تھے اور جو چوٹ کھاتے تھے اس پر شاداں اور فرحاں۔ شاہ عبدالرحیم کو جب ان کے والد شیخ وجیہ الدین شہادت کے دن عالم مثال میں نظر آئے تو وہ انہیں اپنے جسم کا ایک ایک زخم اس طرح دکھاتے تھے جیسے کوئی طرۂ امتیاز اور نشان انشراط و انبساط ہو۔ [1]

شیخ محمد پھلتی جو شاہ ولی اللہ کے نانا تھے بیان کرتے ہیں کہ ان کے ایک عزیز محمد سنی پورب کے کسی علاقے میں شہید ہو گئے تھے۔ ایک دن وہ ان ایام میں مسجد جنو کے حجرہ میں اکیلے بیٹھے ہوئے تھے۔ مسجد جنو آگرہ میں تھی اور شاہ عبدالرحیم کے اکثر مکاشفات اسی مقدس جگہ ہوئے ہیں۔ اتنے میں ناگہاں محمد سنی عالم مثال میں ان کے سامنے آئے اور اس شان سے آئے کہ ان کے لباس اور ہتھیاروں سے شعاعیں پھوٹ پھوٹ کر نکلتی تھیں اور ان سے زمین جھلمل جھلمل کر رہی تھی۔ میں نے پوچھا آپ کے ساتھ کیا گزری۔

کہنے لگے کہ میدان جنگ میں مجھے زخم لگتا تھا تو اس میں ایک لذت محسوس ہوتی تھی۔ ان زخموں کی لذت اور حلاوت آج تک میرے دل میں موجود ہے۔ فی الحال بادشاہ کی فوج فلاں بت خانہ کو منہدم کرنے کے لئے بھیجی گئی تھی۔ میں بھی ان کی رفاقت پر مامور تھا اس تقریب سے ادھر بھی آنا ہو گیا۔ چونکہ تم سے شوق ملاقات تھا اس لئے تمہارے حجرے میں آ گیا۔ [2]

---

[1] انفاس العارفین صـ ۱۴۴

[2] انفاس العارفین ص ۱۷۳